عتیق احمد جیلانی

دبستانِ شبلی اور مولوی عبدالحق

Dabistan-e-Shibli and Molvi Abdul Haq

Abstract:

Atique Ahmed Jilani, Assistant Professor, University of Sindh, Jamshoro.

This artical points out the differences, with their nature and reality between Molvi Abdul Haq and Shibli Nomani. Both the scholars, In spile of their differences respected and admired each other. What is generally said about them is not true.

مولوی عبدالحق کو عام طور پر دبستانِ شبلی کے مخالفین میں شُمار کیا جاتا ہے لیکن اخیر عمر کے ایک خط میں اُنھوں نے اس خیال کی تردید کی ہے، جس کا حوالہ آئندہ سطور میں آئے گا۔ تمہید کے طور پر یہاں ''قومی زبان''، کراچی، بابائے اُردو نمبر ۱۹۶۶ء سے دو اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں۔

> ''میں تربیت کے لحاظ سے شبلی کے گروہ کا آدمی تھا۔ یہاں تک کہ ۳۹ء یا ۴۰ء تک میں مولوی عبدالحق صاحب سے صرف اِسی وجہ سے بے تعلق رہا کہ وہ میرے ہیرو کے متعلق اچھے خیالات نہ رکھتے تھے۔'' [۱]

اس کے ساتھ ہی ابوسلمان شاہ جہاں پوری کے مقالے سے یہ اقتباس بھی توجّہ طلب ہے۔

> ''مولانا غلام رسول مہر نے اسی سلسلے میں میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا: 'یہ ٹھیک ہے کہ مولوی عبدالحق کے گرد ایسے لوگوں کا ایک حلقہ بن گیا تھا جو لیگی ذہن رکھتے تھے اور مولانا آزاد کے مخالف تھے۔ مولوی صاحب ان لوگوں سے متاثر تھے، لیکن ان کے اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ شبلی کو سخت ناپسند کرتے تھے اور شبلی اسکول کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مولانا آزاد کو اگر کسی اسکول سے وابستہ کیا جاسکتا ہے تو وہ شبلی اسکول ہے۔ اس لیے وہ مولانا آزاد کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ شبلی کے مقابلے میں وہ حالی کے بہت مداح تھے، بلکہ یہ کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ وہ شبلی کے دشمن اور حالی کے عقیدت مند تھے۔' مولانا مہر نے مزید فرمایا تھا: واقعہ یہ ہے کہ شبلی کی مخالفت ان کی ایک کم زوری تھی اور اکثر لوگ ان کی اس کم زوری سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔'' [۲]

اب آیئے مولوی عبدالحق کے مذکورہ مکتوب کی طرف۔ ''ادیب'' علی گڑھ، ''شبلی نمبر'' کے لیے عبداللطیف اعظمی نے بہ ذریعہ خط اُن کے تأثرات طلب کیے۔ جوابی خط میں مولوی صاحب لکھتے ہیں۔

''رہی یہ بات کہ میں مولانا شبلی کا مخالف ہوں تو یہ بالکل غلط ہے۔ میں مولانا کے علم وفضل کا تہ دل سے قایل ہوں اور اُنھیں اُردو زبان کے بڑے ادیبوں اور محسنوں میں شمار کرتا ہوں۔''

''لوگوں کا یہ کہنا کہ میں مولانا کا مخالف ہوں، اس کا سبب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے کہ میں نے اپنی بعض تحریروں میں مولانا شبلی کے بعض بیانات پر جو تنقید کی ہے اس سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہو۔'' [۳]

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے ابنِ فرید لکھتے ہیں۔

''مکرمی! شبلی نمبر ملا اور میں نے ایک ہی نشست میں پورا پڑھ ڈالا ہے۔ ارادہ تھا اس پر تفصیلی نظر ڈالوں گا۔ اگر آپ اس کا دوسرا ایڈیشن نکالنے لگیں تو تحریر فرمایئے۔ ایک تفصیلی مضمون لکھوں گا جس میں مخالفین شبلی کے چہرے سے نقاب اُٹھانے کی کوشش کروں گا۔ [۴]

عبدالحق صاحب نے خواہ مخواہ جھوٹ باور کرایا ہے کہ اُنھوں نے شبلی کی مخالفت نہیں کی۔ علی گڑھ میں وحیدالدین سلیم [۵] اور حیدرآباد میں عبدالحق (مولوی) شبلی کے بے انتہا مخالف تھے۔ شبلی کی کھلی مخالفت عبدالحق نے حیدرآباد میں کی ہے۔''

مولوی عبدالحق نے مذکورہ خط میں ماہ نامہ ''انشا'' کراچی، اکتوبر ۱۹۵۹ء میں شایع شدہ اپنے ایک مضمون کا اقتباس بھی نقل کیا ہے۔ زمانۂ طالبِ علمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے فارسی لی، اس کی بہ دولت مجھے شبلی جیسے اُستاد ملے۔'' [۶] حالی وشبلی کی چشمک کے ضمن میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے مولوی صاحب اس کی تردید کرتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ:

''مولانا شبلی کی طبیعت میں ضبط نہ تھا جب کہ حالی انتہا درجے کے ضابط واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے شبلی کا ذکر ہمیشہ اچھے لفظوں میں کیا۔ مولانا شبلی نے 'حیاتِ جاوید' دیکھتے ہی اسے کذب وافترا کا آئینہ قرار دیا تھا'' مگر انھیں حالی سے کوئی بُغض نہ تھا۔ وہ بھی اُن کی علمیت کے قایل تھے۔ جب مولانا (حالی) کو شمس العلماء کا خطاب ملا تو مولانا شبلی نے مجھ سے فرمایا: اب اس خطاب کی عزت بڑھ گئی ہے۔'' [۷]

مولوی صاحب کی اس وضاحت کے باوصف یہ حقیقت ہے کہ اُن کے اور شاگردان وحامیانِ شبلی کے درمیان تعلقات میں کبھی گرم جوشی کی کیفیت نہیں رہی۔ دونوں طرف کی متعلقہ تحریروں میں اختلاف کا رنگ بھی جھلکتا ہے اور ایک دوسرے کی ادبی وعلمی خدمات کا اعتراف بھی ملتا ہے۔ ان تحریروں کے جائزے سے مقصود صرف اسی قدر ہے کہ بکھرے ہوئے حقایق یک جا کردیے جائیں۔

دونوں طرف کے بزرگوں میں سے کسی کو برحق ثابت کرنا ہمارا منشا ہرگز نہیں۔ ہماری نگاہ میں سرسیّد احمد خاں، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا ڈپٹی نذیر احمد، مولانا شبلی نعمانی، مولوی عبدالحق، مولانا ابوالکلام آزاد، سیّد سلیمان ندوی، حافظ محمود خاں شیرانی، مولانا عبدالماجد دریا بادی، مہدی الافادی اور دیگر اہلِ علم اپنی اپنی جگہ لایقِ تکریم ہیں۔

اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں فریقوں کے تعلقات میں خرابی کا آغاز کہاں سے ہوا۔ اس ضمن میں ''حالی و شبلی کی چشمک'' کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ مگر ایک خیال یہ بھی ہے کہ شبلی کی مخالفت حالی سے نہیں سرسیّد سے تھی۔ سرسیّد سے اختلافات کے آغاز اور اُن کی نوعیت پر ''حیاتِ شبلی'' میں سیّد سلیمان ندوی نے تفصیلاً لکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی حالی و شبلی کے مخلصانہ تعلقات پر بھی روشنی ڈالی ہے [۸]
آل احمد سرور، عبداللطیف اعظمی کی تصنیف ''شبلی کا مرتبہ اُردو ادب میں'' کے مقدّمے میں لکھتے ہیں:

''دراصل یہ چشمک ان دونوں بزرگوں میں اتنی نہ تھی، جتنی ان کے جانشینوں میں ہے۔'' [۹]

اس موضوع پر جب مہدی الافادی نے قلم اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس کی اطلاع مولانا عبدالماجد دریا بادی کے توسّط سے سیّد سلیمان ندوی تک پہنچی، مگر صاحب مضمون کا نام صیغۂ راز میں رہا۔ سیّد صاحب کا ذہن قاضی تلمذ حسین اور سیّد ہاشمی فرید آبادی کی طرف منتقل ہوا، اور یہ گمان گزرا کہ شاید یہ سب کچھ مولوی عبدالحق کے اشارے پر ہوا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام لکھتے ہیں:

''متاخرین کی معاصرانہ چشمک آخر کس کی آنکھ کا اشارہ ہے۔
.... میرا خیال ہے کہ قاضی صاحب ہوں گے یا ہاشمی صاحب! نوواردوں میں کوئی تیسرا نہیں ہوسکتا۔'' (ص ۹۱، مکتوب مرقومہ ۱۵ جون ۱۸ء)

''ہاں! مولوی عبدالحق یا سلیم [۱۰] تو چشمک باز نہیں؟ ابھی یونہی شبہ سا ہوا۔''
(ص ۹۲، مکتوب مرقومہ ۱۵ جون ۱۸ء۔)

''آپ کے چشمک باز صاحب پر ایک شعر یاد آیا، داد دیجیے گا:

اللہ ری تاب حُسن کہ تیرا دُرِ بلاق
چشمک زنی کرے ہے عقیقِ یمن کے ساتھ [۱۱]

(ص ۹۳، مکتوب مرقومہ ۲۷ رمضان ۳۶ء)

''حالی و شبلی کی معاصرانہ چشمک'' کے اصل خالق مہدی الافادی، مولانا شبلی کے مداحوں میں سے تھے اسی حوالے سے سیّد سلیمان ندوی اور ''ندوہ و دارالمصنفین'' سے بھی تعلق خاطر رکھتے تھے۔ سیّد صاحب نے اُن کے انتقال پر دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے بھی اس مضمون کا حوالہ دینا ضروری خیال کیا۔ لکھتے ہیں:

''ناظرین کے دلوں میں شبلی سوسائٹی اور معاصرانہ چشمک کے لکھنے والے کی یاد ابھی بالکل تازہ ہوگی۔ مرحوم کو مولانا شبلی کی ذات، ان کی تصانیف، ان کے تلامذہ اور اُن کی یادگار کی چیزوں، سب سے گہرا تعلق تھا۔'' ۱۲؎

ان اقتباسات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شبلی و حالی کے تعلقات کو اس انداز میں موضوع بحث بنانا سیّد صاحب کو منظور نہ تھا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سر سیّد احمد خاں اور مولانا الطاف حسین حالی کے بارے میں ''دارالمصنفین'' اور سید سلیمان ندوی کے تأثرات کی ایک جھلک پیش کردی جائے۔ ''شذراتِ معارف'' کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''جو لوگ اب تک ہر چیز کے جواب میں آیاتِ محکمات کی طرح سر سیّد کی پالیسی، سر سیّد کی پالیسی چلاتے رہتے ہیں، وہ یا تو سر سیّد کو غلط سمجھتے ہیں یا خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں یا قوم و ملک کو۔'' ۱۳؎

مولانا حالی سے متعلق ''معارف'' کے دو تبصرے دیکھیے:

''مولانا حالی مغفور کی قدردانی خود ان کی قوم میں تو یہ ہوئی تھی کہ خالی، خیالی، ڈفالی جیسے سنجیدہ حریف اُن کے زیر کرنے کو اکھاڑے میں اُتارے گئے اور علی گڑھ، لکھنؤ، گورکھ پور سے مہینوں بلکہ برسوں اُن کے نام پر آوازے کسے جاتے رہے لیکن دوسری قومیں اس قدر تنگ نظر نہ تھیں۔ ان کی رباعیات کا ترجمہ مدت ہوئی انگریزی میں ہو چکا ہے۔ اُن کی تصانیف نثر پر انگریز محققوں نے تبصرے لکھے ہیں۔'' ۱۴؎

''ہمارے پچھلے نام ور مصنفین میں مولانا حالی کا جو درجہ ہے وہ مخفی نہیں۔ وہ حیاتِ جاوید کے مصنف ہو کر خود حیاتِ جاوید پا چکے ہیں۔ اُن کی سخن وری، سخن فہمی، نکتہ رسی اور متانتِ تحریر اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ایسی ہستی اگر کسی دوسری قوم کو حاصل ہوتی تو اس کی مستقل سوانح عمریوں اور اس کے کارناموں کے تبصروں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہوتا مگر ہماری غفلت کی انتہا ہے کہ چند صفحوں کے سوا ان کے سوانح حیات کا کوئی ورق بھی نہیں ملتا۔'' ۱۵؎

۱۹۱۵ء کے دوران ''شبلی اکیڈمی'' اور ''دارالمصنفین'' کی تجاویز زیرِ غور تھیں۔ سیّد سلیمان ندوی مقاصد کے اشتراک کی بنیاد پر ''انجمن ترقی اُردو'' سے رابطے اور تعاون کی صورت چاہتے تھے۔ اس ضمن میں مولانا عبدالماجد دریابادی کو لکھتے ہیں:

''رات اکاڈیمی کے قواعد و مقاصد ترتیب دے رہا تھا، دیکھتا ہوں تو ''انجمن ترقی اُردو'' سے کہیں کہیں ٹکرا جاتی ہے۔ کاش اہل ''انجمن ترقی اُردو'' کو اکاڈیمی میں ضم کردیں۔ مولوی عبدالحق مشغول آدمی ہیں اور پھر مرکز سے ۷۰۰ کوس دور مولوی عبدالحق کا پتا معلوم نہیں، مطلع فرمایئے۔''
(ص ۳۸ مکتوب مرقومہ ۲ فروری ۱۵ء)

''دارالمصنفین'' کی نسبت ڈاکٹر اقبال، سیّد اکبر حسین، عمادالملک اور مولوی حبیب الرحمٰن خاں اور مولوی ابوالکلام سے گفتگو کر رہا ہوں، مولوی عبدالحق کو بھی خط لکھتا ہوں۔'' (ص ۳۸، مکتوب مرقومہ ۹ فروری ۱۵ء)۔

''حسن نیت سے معاملہ خود بہ خود فیصل ہوگیا۔ اتفاق سے چند روز کے لیے مجھے خود حیدرآباد جانا پڑا، مولوی عبدالحق وہاں آگئے تھے، مولوی حمید الدین صاحب اور میرے مقابلے میں اُن سے باتیں ہوگئیں۔'' (ص ۳۹، مکتوب مرقومہ ۴ مارچ ۱۵ء) ۱۶

''دارالمصنفین'' کے قیام اور ''معارف'' اعظم گڑھ کی اشاعت کے اوّلین سالوں میں بھی سیّد صاحب اور مولوی عبدالحق کے درمیان تعلقات میں سرد مہری قایم رہی۔ اس کا اظہار مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام سیّد صاحب کے خطوط میں ہوتا ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

''سنا ہے کہ آپ نے ترقی اُردو کی شاخ لکھنؤ میں قایم کی ہے۔ میں تو اس دربار کے لایق ہی نہیں ہوں، ورنہ میں بھی شہداء میں داخل ہوتا۔'' (ص ۴۷، مکتوب مرقومہ ۳ دسمبر ۱۵ء)

''نقاد میں اپنی تنقید تو آپ نے پڑھی ہوگی، ترقی اُردو کو تو کہیں کا نہ رکھا۔'' (ص ۶۹، مکتوب مرقومہ ۱۸ مئی ۱۷ء) ۱۷

''مولوی عبدالحق صاحب کی مجلس شوریٰ میں مجھے بار کیوں ملنے لگا! آپ کو یہ منطق استدلال معلوم ہے، دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے''۔ (ص ۷۴، مکتوب مرقومہ ۲۲، اگست ۱۷ء)

مولانا عبدالماجد دریا بادی، ''انجمن ترقی اُردو'' اور ''دارالمصنفین''، دونوں سے قریبی روابط رکھتے تھے۔ وہ مولوی عبدالحق اور سیّد سلیمان ندوی، دونوں کے مخلص احباب میں شامل تھے۔ اس لیے دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات کے بہت سے نشیب و فراز اُن کی نگاہ میں تھے چناں چہ اسی واقفیت کی بنیاد پر مذکورہ بالا خط (مرقومہ ۲۲ اگست ۱۷ء) کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالحق صاحب کی مخالفت مولانا شبلی اور ان کے جانشین سے اب بہت بڑھ چکی تھی۔'' ۱۸

اِن خطوط میں انجمن ترقی اردو کی مطبوعات پر تنقیدی آرا بھی موجود ہیں:

''معاف کیجیے، آپ کے سوا ''انجمن ترقی اُردو'' کے دوسرے دور کی کوئی کتاب زبان کی لفظی و معنوی غلطیوں سے پاک نہیں۔'' (ص ۸۴، مکتوب مرقومہ ۸ جنوری ۱۸ء)

''مولوی عبدالحق صاحب نے اصطلاحات کی کاپی بھیجی تھی۔ میں کیا بتاتا، یوں ہی کچھ جا بہ جا رائے لکھ کر بھیج دی۔ جامع نے انھی کتابوں کے اخیر سے اصطلاحات بعینہٖ نقل کر لی ہیں۔'' (ص ۸۷، مکتوب مرقومہ ۱۴ فروری ۱۸ء) ۱۹

۱۹۲۱ء کے آغاز میں سہ ماہی ''اُردو انجمن'' کے علمی مجلّے کی حیثیت میں سامنے آیا تو ''معارف

''نے اس کا خیر مقدم کیا۔ باب التقریظ والانتقاد کے تحت پہلے شمارے پر تبصرہ شامل اشاعت کیا گیا۔ اس تبصرے میں شکوہ و شکایت کا ایک پہلو بھی موجود تھا۔ چناں چہ ''اُردو'' کی تیسری اشاعت میں مولوی عبد الحق نے "معارف کی تنقید" کے عنوان سے اس کا جواب تحریر کیا۔ ۲۰ اس طرح غیر ضروری طور پر فضا ناخوش گوار ہوگئی اور پھر جلد ہی ''شعر العجم'' کی تنقید سے متعلق سلسلۂ مضامین نے اسے محاذ آرائی کی شکل دے دی۔ سہ ماہی ''اُردو''، شمارہ (۱) پر ''معارف'' کے تبصرے سے اقتباس درج ذیل ہے:

''اُردو کا آغاز ہی پڑھنے سے خیال ہوتا ہے کہ اس کے دربار میں نہ حالی و آزاد (مولوی محمد حسین) کی صف میں شبلی کی جگہ ہے اور نہ 'حسن' 'دکن ریویو' کے ساتھ 'الندوہ' کے نام سے یہ اپنی زبانِ قلم کو آلودہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے یقیناً 'معارف' کی تعریف و تنقیص دونوں سے اس کا مرتبہ ارفع ہوگا۔ اُردو میں اس سے پہلے غالباً کوئی سہ ماہی رسالہ کبھی نہیں نکلا۔ اس بدعتِ حسنہ کا ہم دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔'' ۲۱

مولوی صاحب نے اس شکایت کا جواب ان الفاظ میں تحریر کیا:

'معارف' نے سہ ماہی اُردو کا خیر مقدم کیا ہے جس کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ معارف کی طرح اُردو کا شیوہ نوک جھونک نہیں ہے لیکن فاضل مرتب ''معارف'' نے ابتدائے تنقید ہی میں چند جملے ایسے لکھ دیے ہیں جن سے مغالطہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا رفع کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں.... بہ ہر حال، ہمیں ان کی طبیعت کا رنگ معلوم ہوگیا اور جو اُن کے دل میں تھا وہ اُن کے قلم سے بے اختیار ٹپک پڑا۔'' ۲۲

علامہ شبلی نعمانی کی مشہور تصنیف ''شعر العجم'' پر حافظ محمود خاں شیرانی کے تحقیقی مقالات کی اشاعت رسالہ ''اُردو'' میں شروع ہوئی تو اُسے بھی ''دارالمصنفین'' میں شک کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ''معارف'' کے شذرات اور مقالات میں مذکورہ ''تنقید شعر العجم'' متعدد بار موضوعِ تحریر بنی۔ ۲۳ یوں دونوں اداروں کے درمیان شکوک و شبہات کی خلیج کچھ اور وسیع ہوگئی۔ سیّد سلیمان ندوی اس سلسلۂ مضامین کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے۔

''جس زمانے میں استاد مرحوم پروفیسر شیرانی 'شعر العجم' کے بعض حصوں پر تنقیدی مضامین لکھ رہے تھے سیّد صاحب مرحوم نے مجھے لکھا کہ اپنے استاد سے کہہ دو کہ تنقید ضرور کریں مگر مولوی عبدالحق کی پارٹی بازی میں شرکت نہ کریں۔ پیغام میں نے پہنچا دیا اور مدتوں تک استاد مرحوم کی نظروں میں مشکوک بلکہ معتوب آدمی رہا۔'' ۲۴

''مقالات حافظ محمود شیرانی'' (جلد اوّل) کے مقدمے میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں:

''آبِ حیات'' پر شیرانی کی تنقید میں وہ تندی اور لہجے کی درشتی نہیں جو ہمیں ''تنقیدِ شعر العجم'' میں

ملتی ہے.... اس تفاوت کا باعث کیا ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں مولوی عبد الحق (بابائے اُردو) کا ہاتھ ہے جو شبلی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس کا آغاز حیدر آباد میں ہوا۔ وہی سوٗ المزاجی آگے چل کر 'ندوہ' اور 'انجمن ترقیِ اُردو' کے معاملات پر اثر انداز ہوئی، اور شیرانی بھی اس کا شکار ہوگئے۔ ممکن ہے یہ دُرست ہو مگر شیرانی کا اندازِ تحقیق بھی اس کا ذمے دار تھا۔ شبلی ایک سرو ہزار سودا تھے۔ سرسیّد ہی کی طرح.... اس لیے اُن کی تحریروں میں اگر یک سوئی کی کمی نظر آئے تو انھیں معذور خیال کیا جاسکتا ہے.... شیرانی تحقیق و تصنیف میں یک سو آدمی تھے.... قصہ عبد الحق کا بھی ہوسکتا ہے لیکن مسئلہ دراصل یک سوئی کا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ شبلی ہو یا کوئی اور غلطیوں سے مبرا نہیں ہوسکتا۔'' ۲۵

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے اپنے تحقیقی مقالے ''حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی و ادبی خدمات'' میں ''تنقید شعر العجم'' حوالے سے تفصیلاً اظہار خیال کیا ہے:

''تنقید شعر العجم'' ہمارے ہاں ایک نئی اور انوکھی چیز تھی۔ یہ ہمارے تحقیقی ارتقاء میں بلاشبہ ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے.... اس تالیف نے جن نئے اور بلند معیاروں سے ہماری علمی دنیا کو متعارف کرایا تھا، اُس کا کماحقہ ادراک کرنے والے بہت کم تھے۔ بعضوں نے اسے دُرستی کے سبب قابل معافی لیکن ساتھ ہی درشتی کے باعث لایقِ تعزیر قرار دیا۔ یہ معاشرہ اس حقیقت سے واقف نہ تھا کہ مادی دُنیا میں بگڑی ہوئی اشیاء کی درستی کے لیے جہاں مضبوط ہاتھوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں علمی دُنیا کے بگڑے ہوئے معیار دُرست کرنے کی غرض سے درشت قلم ناگزیر ہوتا ہے۔'' ۲۶

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی مذکورہ بالا رائے پر مظہر محمود شیرانی اِن الفاظ میں تنقید کرتے ہیں:

''مولانا شبلی اور مولوی عبد الحق کا اختلاف بجا، ندوہ اور 'انجمن' کی نوک جھونک درست، تاہم 'شکار ہونے' کے الفاظ مناسب نہیں۔ سچ پوچھیے تو شیرانی صاحب کا ''تنقیدِ شعر العجم'' لکھنا، اُن کا اور اگر یہ مولوی عبد الحق کے ایما پر لکھی گئی تو اُن دونوں بزرگوں کا اُردو زبان میں تحقیق کے موضوع پر احسانِ عظیم ہے۔'' ۲۷

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے بڑی مہارت سے "تنقیدِ شعر العجم" کا دفاع کیا ہے اور اس ضمن میں حامیانِ شبلی کی طرف سے سامنے آنے والے جوابات اور اعتراضات کا بھرپور تجزیہ کر کے اُن کے مؤقف کی کم زوری واضح کی ہے۔

رسالہ ''اُردو''، اکتوبر ۱۹۲۴ء، جلد ۳، حصہ ۱۲ میں ''تنقید شعر العجم'' کے سلسلے میں مشہور محقق ڈاکٹر محمد اقبال کو غلطی سے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال لکھ دیا گیا۔ ''شذراتِ معارف'' میں سیّد سلیمان ندوی نے اس کی تصحیح میں ذرا سخت لہجہ اختیار کیا۔ لکھتے ہیں:

"مرحوم مصنف نے تو سیکڑوں برس کے مردہ اشخاص کے ناموں میں غلطیاں کی ہیں مگر ہمارے زندہ تنقید نگار کی صحیح البیانی یہ ہے کہ وہ زندہ اور معاصر اشخاص کے ناموں میں بھی التباس اور تشابہ سے محفوظ نہیں، پھر مردوں کی داد فریاد کون سنتا ہے۔ حضرت مسیح نے سچ کہا ہے: تم کو دوسروں کی آنکھوں کا تنکا نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

یک زندہ دل نہ رفت سلامت زعیب جو

کاین ماجرا بہ خضر علیہ السلام رفت" ۲۸

"اُردو" کے اگلے شمارے میں اس سے زیادہ سخت لہجہ اختیار کیا گیا اور فہرست مضامین سے قبل تین صفحات میں دو عنوانات کے تحت نمایاں طور پر جواب شایع کیا گیا۔ پہلی تحریر منیجر "مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ" (مولوی محمد مقتدیٰ خاں) کی طرف سے "مطبع کی معذرت" کے عنوان سے ہے۔

صاحبِ تحریر قارئین سے عذر خواہی کے بعد لکھتے ہیں:

"شعر العجم" کی جو تنقید رسالہ "اُردو" میں مسلسل شایع ہو رہی ہے۔ وہ بلا شبہ ایک اہم ادبی وتاریخی خدمت ہے اور اس سے کسی طرح مرحوم مؤلف کی خدانخواستہ منقصت یا اُن کے حقیقی کمال کا استخفاف مدنظر نہیں ہے مگر شبلی منزل کے عرش نشیں جو خود کو جائز سے جائز اعتراض سے ماورا سمجھتے ہیں، اس سے سخت نعل در آتش ہیں اور بجائے اس کے کہ اعتراضوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور متانت کے ساتھ ان کا جواب دیں (اگر کچھ ہو سکتا ہو) اب معارف کے دسمبر نمبر میں انھوں نے اس ناموں کی الٹ پھیر کی آڑ پکڑ کر رسالہ اور اس کے فاضل تنقید نگار پر بوچھاڑ کی ہے۔" ۲۹

اس کے بعد دوسرے صفحے پر نیا عنوان ہے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" یہ تحریر ایڈیٹر کی طرف سے ہے۔ اس کا عنوان اور نفس مضمون غیر ضروری حد تک جارحانہ ہے۔ اقتباس درج ذیل ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ 'معارف' ایسی بھول چوک کی تاک ہی میں تھے۔ رسالے کے فاضل ایڈیٹر نے اپنے شذرات میں رسالہ 'اُردو' اور صاحبِ 'تنقید شعر العجم' پر رکیک اور عامیانہ زبان میں حملہ کیا ہے جو ایک علمی پرچے کی شان سے بعید ہے اور بڑے فخر ونمود سے اس غلطی کا اظہار فرمایا ہے۔ گویا "تنقید شعر العجم" کا جواب ہو گیا..... مگر اس کا کیا علاج کہ یہ حضرات شیش محل میں رہ کر دوسروں پر پتھر پھینکتے ہیں۔ "معارف" کے پرچے (بابت ماہ دسمبر) میں تلخیص وتبصرہ کے تحت میں بوسٹن کے عجائب خانے کا حال درج ہے اور ہر جگہ بوسٹن کو انگلستان کا شہر بتایا ہے۔ حال آں کہ مدرسے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ شہر صوبہ جات متحدہ امریکا میں واقع ہے..... کیا ہم حضرت مسیح کے اس قول کی نقل کر سکتے ہیں جو معارف کے فاضل ایڈیٹر نے اُردو پر تعریض کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے۔" ۳۰

اس کے فوراً بعد ''شذارتِ معارف'' میں سیّد سلیمان ندوی جواب الجواب کے طور پر لکھتے ہیں:

''دسمبر کے ''معارف'' میں ''تنقید شعر العجم'' کے سلسلے میں ڈاکٹر اقبال اور پروفیسر اقبال کے تشابہ پر رسالہ ''اُردو'' کو جو ہم نے ٹوکا تھا اس نے اورنگ آباد سے لے کر علی گڑھ تک ایک آگ سی لگا دی، ایڈیٹر صاحب کی خفگی تو بجا تھی مگر مہتمم صاحب مطبع ''مسلم یونی ورسٹی'' کی بوالفضولی سمجھ میں نہیں آئی، بہ ہر حال ''معارف'' اور ''اُردو'' کے شذارت ملک کے اربابِ علم و فہم کے سامنے ہیں اور وہ ان کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں میں کس کا معیارِ اخلاق بلند ہے....

''معارف'' کے ایک معمولی لیکن ذرا سے شذرے پر جس سے ملک کے متعدد اہلِ قلم کو باہمی الجھاؤ سے نجات مل گئی، ''اُردو'' کی اس برافروختگی کو دیکھ کر ہم کو بے اختیار ہنسی آتی ہے کہ وہ ایک معمولی گرفت سے اس قدر برہم ہے اور اُن لوگوں کو صبر و رضا و تسلیم کی دعوت کرتا ہے جن کے ایک بزرگ کو طعن و طنز، لہجے کی درشتی اور تجہیل کے ساتھ وہ مہینوں سے یاد کر رہا ہے۔''[۳۱]

''معارف'' کے اسی شمارے میں ''شعر العجم اور عمر خیام'' کے عنوان سے سیّد سلیمان ندوی کا ایک مقالہ بھی موجود ہے جس میں پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی کے ساتھ اس بحث میں پروفیسر محمد اقبال کی شرکت پر تنقید کی گئی ہے اور پھر نکتہ بہ نکتہ پروفیسر اقبال کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔[۳۲] تمہیدی عبارت کے دو اقتباسات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

''کچھ دنوں سے رسالہ 'اُردو' (اورنگ آباد، دکن) میں 'شعر العجم' پر ایک مسلسل تنقید نکل رہی ہے جس کی طرف پہلے اس لیے ہم نے توجہ نہ کی کہ یہ نقاد کی 'شعر العجم' پر تنقید نہیں بلکہ مغربی مستشرق کی مشرقی تذکرہ نویسوں پر تنقید ہے اور 'شعر العجم' کا پردہ مضمون نگار نے صرف اس لیے رکھا ہے تا کہ 'طعنۂ نیکاں' کے وسیلے سے وہ اپنے 'اخلاقِ حسنہ' کی پردہ دری کر سکیں۔''

''اکتوبر ۲۳ کے نمبر میں جناب نقاد اپنے غمِ تنہائی کے ازالے کے لیے ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر شیخ اقبال معلم فارسی ''اورینٹل کالج'' لاہور کو بھی اس دشت خارزار میں اپنے ساتھ لگا لائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات انگلستان میں متعدد بار ہو چکی ہے اور وہ اس وقت پروفیسر براؤن کے ماتحت طلبِ علم کا فرض انجام دے رہے تھے۔ پروفیسر براؤن اس وقت میری نگاہ میں تمام انگلستان میں مشرقیات کے سب سے بڑے عالم ہیں اور انھوں نے اقبال صاحب کی مجھ سے حوصلہ افزا توصیف کی تھی اور اس لیے اُس وقت سے برابر اُن کی نسبت میرا حُسنِ ظن قایم رہا لیکن دفعتہً رسالہ ''اُردو'' میں اُن کا مضمون ''شعر العجم اور عمر خیام'' دیکھ کر حیرت سی ہوگئی۔ ''شعر العجم'' کا مصنف اگر آج زندہ ہوتا تو کالجوں کے السنۂ مشرقیہ کے پروفیسروں کے ان تنقیداتِ عالیہ کو دیکھ کر وہی جواب دیتا جو ایک مشہور ایرانی شاعر نے اپنے ایک مدرسہ نشین معترض کو دیا تھا کہ:

شعرِ مرا بمدرسہ کہ بُرد''[۳۳]

اس بحث کے بعد بھی رسالہ ''اُردو'' اور ''معارف'' میں ''شعرالعجم'' اور شبلی کے تحقیقی مرتبہ و مقام کا تذکرہ ہوتا رہا۔ مسٹر پستن جی بھاجی والا کی کتاب ''مولانا شبلی اینڈ عمر خیام'' (انگریزی) شایع ہوئی تو رسالہ ''اُردو'' میں غالباً ہاشمی فرید آبادی نے اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

''اُنھوں نے مرحوم کے حالات لکھنے میں کافی محنت اور دردسری اٹھائی ہے اور انگریزی دانوں کو اسلامی ہند کے اس مشہور اہل قلم سے روشناس کیا ہے جس کی اُردو میں بھی ابھی تک کوئی معقول سیرت نہیں لکھی گئی۔ مسٹر بھاجی والا کی یہ کوشش قابلِ شکر گذاری ہے لیکن ذوقِ تحقیق کا تقاضا تھا کہ وہ مصنف مرحوم کے مضمون کو جس کا ترجمہ کیا ہے اچھی طرح جانچ لیتے کیوں کہ مرحوم کی یہ کتاب تحقیق کے معیار پر قابلِ اصلاح پائی گئی ہے۔'' ۳۴

اس کے برخلاف ''معارف'' کے صفحات میں ''شعرالعجم'' کا ذکر اس انداز میں ملتا ہے:

''مولانا شبلی مرحوم کو اپنی زندگی میں شاید اپنی کتاب ''شعرالعجم'' کی اس مقبولیت کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ ایک طرف وہ پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران کا آخری ماخذ بنے گی اور دوسری طرف خود وہ ملک جس کی ادبی تاریخ اس میں لکھی گئی ہے اس کی اتنی قدر کرے گا کہ اس کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کا اہتمام کرے گا''۔ ۳۵

''مولانا شبلی مرحوم جب ''شعرالعجم'' لکھ رہے تھے تو اُن کو خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی مقبول ہوگی کہ ایک طرف انگلستان کا سب سے بڑا مستشرق اس سے فائدہ اُٹھائے گا اور دوسری طرف ایران وعجم کے مشتاق اس سے بہرہ مند ہوں گے۔'' ۳۶

اس سلسلے میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ ''معارف'' اور ''دارالمصنفین'' کو بہت جلد اندازہ ہوگیا کہ ''تنقیدِ شعرالعجم'' کسی فرمائش یا سازش کا نتیجہ نہیں بلکہ حافظ محمود خاں شیرانی کی سنجیدہ علمی کاوش ہے۔ ۳۷ ''پنجاب میں اُردو'' منظرِ عام پر آئی تو ''معارف'' میں سیّد نجیب اشرف ندوی نے اس پر مقالہ تحریر کیا۔ اس مقالے میں شیرانی صاحب کے بعض نتائج تحقیق سے اظہار اختلاف کے پہلو بہ پہلو ان کے علم و فضل کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ ''تنقید شعرالعجم'' کے پس منظر میں دبستانِ شبلی کے ایک رکن کی طرف سے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

''جناب پروفیسر محمود شیرانی صاحب آج سے چند سال قبل تک ادبی دنیا میں بہت کم معروف تھے اور اُن کی ''تنقید شعرالعجم'' سے پہلے شاید پنجاب سے باہر ہندوستان کے بہت ہی کم لوگ ان کی وسعتِ تحقیق، فراوانیِ معلومات اور خداداد علمیت و ذہانت سے واقف تھے....اُن کا ایک ایک حرف نہایت افادی شوق اور طالب علمانہ ذوق سے پڑھا جاتا ہے۔ وہ جس چیز پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اس میں تحقیق و معلومات اور فلسفیانہ تنقید و نتائج کے دریا بہادیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی ہر تحریر خاص توجہ کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔'' ۳۸

حافظ محمود شیرانی کا مرتبہ تذکرہ "مجموعۂ نغز" شایع ہوا تو اس پر ''معارف'' کے باب التقریظ والانتقاد کے تحت یہ تبصرہ سامنے آیا:

''اس کتاب کے مصحح حافظ محمود خاں شیرانی ہیں جو اگرچہ کسی مشرقی یا مغربی یونی ورسٹی کے سند یافتہ نہیں، تاہم اپنی فطری صلاحیت و استعداد اور تلاش و محنت اور ذوقِ علم کی بنا پر اپنی اہلیت کی وہ سند رکھتے ہیں جو ہزار ہا کاغذی سندوں سے بالاتر ہے۔'' ۳۹

اسی طرح حافظ محمود خاں شیرانی کے انتقال پر ''معارف'' میں "وفیات" کے زیر عنوان سیّد سلیمان ندوی کی ایک تحریر بھی توجہ طلب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس بائیس سال پہلے کی ''تنقید شعر العجم'' کو سیّد صاحب زیادہ بہ تر پس منظر میں دیکھ رہے ہیں اور اُنھیں شیرانی مرحوم کی غیر جانب دارانہ علمی تنقید و تحقیق کا اعتراف ہے۔

سیّد صاحب کے الفاظ ہیں:

''ہم کو ابھی تک اپنے ملک کے علماء اور محققین کی پوری قدر نہیں ہوئی۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ ہماری قوم اور ملک کے ایک نام ور محقق پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی کا انتقال ۱۶ فروری ۱۹۴۶ء کو ٹونک میں ہوگیا اور ہم میں سے بہتوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی....

''اس زمانے میں یورپ کے علمائے شرقیات نے بعض شعراء پر جو مستقل مضامین لکھے ہیں یا کتب خانوں کی فہرستوں میں ان شعراء کے دواوین کے ضمن میں جو کچھ لکھا گیا ہے یا پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب میں ان منتشر معلومات کو جو یک جا کر دیا ہے پروفیسر شیرانی نے ان سب کو سامنے رکھ کر اپنی ذاتی تحقیقات کے بہت سے اضافوں کے ساتھ اس سلسلے کو لکھ کر فارسی ادب کی تاریخ کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔'' ۴۰

''ادیب'' علی گڑھ، شبلی نمبر ۱۹۶۰ء میں شامل خط میں مولوی عبدالحق نے تنقیدِ شبلی سے متعلق اپنی جن تحریروں کی طرف اشارہ کیا ہے اُن میں چند مقدمے بھی شامل ہیں۔ مقدمہ ''مثنوی خواب و خیال'' میں مولوی صاحب نے حالی کے اس قیاس کی تصدیق کی ہے کہ مذکورہ مثنوی نواب مرزا شوق کا ماخذ تھی۔ اس سے قبل شبلی نعمانی تذکرہ ''گلشن ہند'' کے دیباچے میں اس خیال کی تردید کر چکے تھے۔

ان مقدمات میں سے مقدمہ ''حیات النذیر'' بھی قابل توجہ ہے، کیوں کہ اس میں مولوی صاحب نے شبلی نعمانی، ''ندوہ'' اور اس سے متعلق علماء کے بارے میں نہایت تند و تیز زبان استعمال کی ہے۔ دو طرفہ اختلافی تحریروں میں یہ مقدمہ اسی سبب سے نمایاں ہے۔ مولوی نذیر احمد دہلوی کی کتاب ''امہات الامہ'' کی اشاعت پر علماء اور عام مسلمانوں کی طرف سے جو ردِ عمل ہوا تھا اور جس طرح 1910 میں ندوہ کے اجلاس منعقدہ دہلی میں اس کتاب کی کاپیاں نذرِ آتش کی گئیں، اس کا ذکر اس مقدمے میں نہایت

جذباتی اور افسانوی انداز میں کیا گیا ہے۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے مقدمہ ''مقدماتِ عبدالحق'' میں اس کی پُر زور تردید کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''''ندوۃ العلماء'' کے ارکان وشرکاء اس کے جلانے پر آخر تک آمادہ نہ تھے خود مولوی (نذیر احمد) صاحب مرحوم کی تحریک تھی.... چناں چہ رسالے جلائے گئے، مٹی کا تیل لا کر دو بجے رات کو جس نے رسالوں پر ڈالا تھا، وہ میں ہی تھا''۔۴۱

مولوی عبدالحق کے اس مقدمے اور مولانا شروانی کی وضاحت کو سیّد سلیمان ندوی نے "معارف" جلد ۳۶، شمارہ ۴، (ص ۲۴۳) اور ''حیات شبلی'' (ص) میں موضوع بحث بنایا ہے۔ مولوی نذیر احمد کے پوتے شاہد احمد دہلوی نے ''امہات الامہ'' کا تازہ ایڈیشن نکالا تو شذرات میں سیّد سلیمان 'ندوی' نے سابقہ اشاعت ۱۹۰۹ء کے موقع پر اُٹھنے والے ہنگامے کا حوالہ دیا اور ۱۹۱۰ء میں ''ندوہ'' کے دہلی اجلاس میں حکیم اجمل خاں مرحوم کی وساطت سے کتب کو جلائے جانے کا ذکر کیا اور پاورق میں لکھا:

''اس واقعے کے اندرونی شاہد جناب حکیم مقصود علی خاں صاحب جو اس زمانے میں حکیم صاحب مرحوم کے گویا سیکریٹری تھے حیدرآباد دکن میں موجود ہیں۔''۴۲

اسی سلسلے کی ایک اور تحریر ''مقدمہ بر خطوطِ عطیہ بیگم صاحبہ'' ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خطوط کی اشاعت وابستگانِ ''ندوہ و دارالمصنفین'' کے لیے رنج کا باعث ہوئی ہوگی۔۴۳ مولوی صاحب اس مقدمے میں سیّد سلیمان ندوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا کے ایک ارشد تلمیذ نے حال میں ''شعرالعجم'' کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ واقعات کی کھتونی نہیں، حسن وعشق کی داستان ہے'۔۴۴ گویا واقعات (شاعر کی زندگی اور اس کی) شاعری پر کچھ اثر نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''شعرالعجم'' واقعات کی کھتونی بھی ہے اور حسن وعشق کی داستان بھی، لیکن وہ اگر ان خطوط کو دیکھتے (اور اگر دیکھا تو غور نہیں فرمایا) کہ جس داستان کا تصور اُن کے ذہن میں تھا وہ ''شعرالعجم'' میں نہیں ان خطوط میں ہے۔''۴۵

مقدمے کے اختتام پر لکھتے ہیں:

''آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ مولانا شبلی کی تصانیف کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہوگئی ہے۔ زمانے کے ہاتھوں کوئی نہیں بچ سکتا، وہ بہت سخت مزاج ہے۔ مگر آخری انصاف اسی کے ہاتھ ہے۔ اُن کی بعض کتابیں ابھی سے لوگ بھولتے جاتے ہیں اور کچھ مدت بعد صرف کتاب خانوں میں نظر آئیں گی لیکن بعض تصانیف اُن کی ایسی ہیں جو مدتوں شوق سے پڑھی جائیں گی اور انھیں میں یہ خطوط بھی ہیں۔''۴۶

مولوی صاحب، مقدمات کے مرتب مرزا محمد بیگ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''آپ عطیہ بیگم کے خطوط سے متردّد نہ ہوں اس سے مولانا شبلی کی منقصت نہیں ہوتی۔ لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ نرے خشک ملّا یا مولوی نہ تھے بلکہ لطیف انسانی جذبات بھی رکھتے تھے۔'' ۴۷

یہاں ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی کے مشہور مضمون ''حالی و شبلی کی معاصرانہ چشمک'' سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس میں مولوی صاحب کی مقدمہ نگاری کے ایک خاص پہلو پر تبصرہ ہے۔ لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالحق کے ذمہ دار قلم سے ٹپکی ہوئی سیاہی جس طرح پھیلی ہے ایک نظر دیکھنے کے لایق ہے۔ جس طرح ناممکن ہے کہ کسی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) کتاب پر اُن کا مقدمہ نہ ہو، یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے حالی کی پاس داری میں یہ شبلی پر چوٹ نہ کرتے ہوں یعنی چشمک کے جراثیم اُن کے مقدمات میں اس کثرت سے ملیں گے کہ یہ امر اُن کے لٹریچر کے خصایص کا ایک جزو ہو گیا ہے۔ پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور اظہارِ خیال سے کبھی نہیں چوکتے۔ لیکن میں اگر غلطی نہیں کرتا تو یہ جو کچھ لکھتے ہیں نکتہ سنجانہ لکھتے ہیں۔ یعنی شبلی کی تنقیص مقصود بالذات نہیں ہوتی۔'' ۴۸

''رسالہ الناظر'' کی طرف سے اُردو کے سب سے بڑے انشا پرداز کا تعین کرنے کے لیے انعامی مقابلہ منعقد کیا گیا۔ بعد ازاں انعامی مضمون تبصرے کے لیے مولوی صاحب کو بھیجا گیا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں:

''مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد کی اُردو شاعرانہ، نذیر احمد کی عامیانہ اور سوقیانہ اور حالی کی روکھی پھیکی ہے۔ اُردو میں اگر کوئی اعلیٰ ادیب اور انشا پرداز ہوا ہے تو وہ شبلی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا فیصلہ بالغ نظر ادیبوں کی نظر میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔'' ۴۹

مولوی صاحب کی اخیر عمر کا ایک خط بہ نام مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی پیشِ نظر ہے۔ مولوی عبدالحق اُن کے ایک مضمون کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کا مضمون علی گڑھ میں شبلی کا قیام پڑھا۔ ۵۰ سبحان اللہ کیا خوب لکھا ہے۔ جزاک اللہ! کیا چھپی چوریاں پکڑی ہیں۔ یہ اس قابل ہے کہ 'حیات شبلی' کے اخیر میں بہ طور ضمیمے کے شایع کیا جائے۔ اگر مولوی سلیمان زندہ ہوتے اور اس مضمون کو پڑھتے تو اُن کے قلب کی حرکت بند ہو جاتی۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ کوئی بات خلافِ واقعہ نہیں ہے۔ آپ نے حق گوئی کا حق ادا کر دیا اور ان باتوں کو صاف صاف بیان کر دیا جن پر عمداً پردہ پڑا ہوا تھا۔''

''مولانا شبلی نے سرسیّد کو بدنام کرنے کے جو طریقے اختیار کیے تھے وہ بہت گھٹیا تھے اور افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے ایسے عامیانہ طریقے کیوں اختیار کیے ہیں۔ اصل بات ظرف کی ہے۔'' ۵۱

''قومی زبان'' کراچی کے ابتدائی شماروں میں ادارے کی طرف سے ''مشاہیرِ اُردو'' کے عنوان

سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا۔ مولانا شبلی نعمانی پر تحریر کیے گئے مضمون میں ایک ذیلی عنوان ملتا ہے "معاصرانہ چشمک"۔ اس کے تحت یہ عبارت درج ہے:

> ''سرسیّد اور آزاد جس بزمِ ادب کے رُکن تھے اُسی کے شبلی بھی ہیں۔ گو یہ سب کے بعد پہنچے لیکن پیچھے نہیں بیٹھے، اور اگرچہ ابتداء میں اپنے معاصرین کے ادبی کارناموں کو سراہتے رہے لیکن بہ تدریج معاصرانہ چشمک کا جذبہ بڑھتا رہا۔ اور آخر میں تو قلم میں زیادہ گرمی پیدا ہوگئی۔'' ۵۲

''دارالمصنفین، اعظم گڑھ'' کے ترجمان ''معارف'' اور ''انجمن ترقی اُردو'' کے ترجمان ''اُردو'' اور ''قومی زبان'' میں چھپنے والے کتابوں اور رسالوں کے تبصرے بھی ہمارے مطالعے کا حصہ ہیں۔ رسالہ اُردو میں سیّد سلیمان ندوی کی کتابوں پر تبصرے ملتے ہیں ''عربوں کی جہاز رانی'' پر تبصرہ رسالہ اُردو جولائی ۱۹۳۸ء میں موجود ہے۔ اس میں مذکورہ کتاب کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ عرب میں جہاز رانی کا آغاز عہد جاہلیت میں ہوا۔ مبصر نے ایک آیت کی تشریح میں سہو کی نشان دہی بھی کی ہے۔ ''قومی زبان'' کراچی کے ایک شمارے میں ''معارف'' کی نزدیکی اشاعت میں شایع شدہ ایک ''شکوے'' کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

> ''نئی مطبوعات کے ضمن میں قومی زبان کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ لایق مدیر تحریر فرماتے ہیں کہ 'اُردو زبان کو یہ شکایت کرنے کا حق ہے کہ اسے ہندوستان میں بے یار و مددگار چھوڑ کر (انجمن ترقی اُردو) کا پاکستان کی راہ لینا آئینِ وفا سے بعید ہے'۔ بے چارے غالب کو تو یہ شکایت تھی کہ جن کی خاطر گھر بار لٹایا تھا وہی بے خانماں ہونے کا طعنہ دیتے ہیں لیکن ہمارے ہندی دوست شاعر کے خیالی معشوق سے آگے بڑھ گئے کہ گھر لوٹ کر دیس نکالا دیا اور اب خود ہی بے وفائی کا الزام دے رہے ہیں۔ کیا یہ بھی ستم کا کوئی نیا پیرایہ ہے''۔ ۵۳

''معارف'' میں بابائے اُردو اور ''انجمن ترقی اُردو'' کی بیش تر تصانیف پر تبصرے موجود ہیں۔ ان تبصروں میں تعریفی و توصیفی انداز بھی ہے اور اختلافی و تنقیدی نکات بھی۔ مثنوی "خواب و خیال" مرتبہ مولوی عبدالحق پر تبصرے میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے: ''شروع میں جناب مرتب کا ایک مقدمہ ہے جو ہر حیثیت سے تشنۂ بیان ہے۔ قدرشناسانِ اُردو کو انجمن ترقی اُردو کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ اُس نے گراں قیمت متاع کو وقفِ عام کردیا''۔ ۵۴ ''قواعدِ اُردو'' از مولوی عبدالحق (طبع دوم) پر تبصرے کے الفاظ ہیں: ''شاید جناب مؤلف نے ان تنقیدوں پر زیادہ توجہ نہیں کی جو طبع اوّل پر شایع ہوئی تھیں۔ بہ ہر حال وہ اس وقت اُردو کی معیاری کتابوں میں ہے''۔ ۵۵ مقدمات عبدالحق پر "معارف" میں سیّد ریاست علی ندوی کے قلم سے یہ تبصرہ موجود ہے:

''مولوی صاحب کو اُردو کے بعض مسلّم انشا پردازوں اور ناقدوں سے جو دیرینہ اختلاف رہا ہے اُس کی بو نہ صرف ادب اور تاریخ ادب کے مضامین میں آتی ہے بلکہ وہ رائے اور تنقید سے گزر کر ذاتیات کے حدود تک پہنچ گیا ہے۔ جس کی نمایاں مثال مقدمۂ تمدنِ ہند ہے جس میں تمدنِ ہند کے مترجم شمس العلماء ڈاکٹر سیّد علی بلگرامی کے سوانح حیات میں بے ضرورت اور بے محل طور پر بعض ایسی شخصیتوں پر خواہ مخواہ کے ذاتی حملے کیے گئے ہیں جن سے مولوی صاحب کو اُن کی زندگی میں اختلاف رہا اور اُن کی وفات کے بعد بھی اُنھوں نے اُنھیں کبھی کسی کلمۂ خیر سے یاد نہ فرمایا۔ ہمیں اس کا افسوس ہے کہ مرتب ''مقدمات عبدالحق'' نے اس مجموعے کو شایع کرنے سے پیش تر مولوی صاحب کی خدمت میں پیش نہیں کیا کہ شاید وہ وقت کی ان گرم تحریروں کو جن میں سے بعض محض جذبات اور ماحول کے لحاظ سے قلم سے نکلی ہوں گی اس عہدِ پیری میں کسی معتدل شکل وصورت میں لے آتے اور تلافیِ مافات بھی ہو جاتی۔'' ۵۶

پندرہ روزہ "ہماری زبان" پر تبصرہ کرتے ہوئے مبصر اُردو زبان کے خلاف ہونے والی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے پاس اس کے مقابلے کے لیے زبانی شور وغل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لے دے کے ایک ''انجمن ترقی اُردو'' اپنی بساط کے مطابق عملاً مقابلہ کر رہی ہے۔ اسی غرض سے اس نے یہ پندرہ روزہ اخبار نکالا ہے.... اس سے مخالفین اُردو کی تخریبی سرگرمیوں اور ''انجمن ترقی اُردو'' کی مدافعانہ اور تعمیری کارگذاریوں کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے''۔ ۵۷

رسالہ ''جوہر'' دہلی کے عبدالحق نمبر پر تبصرے سے اقتباس ہے:

''انجمن اتحاد جامعہ'' کے رسالے ''جوہر'' نے مولوی عبدالحق صاحب صدر انجمن ترقی اُردو کی سترویں سال گرہ کی تقریب میں یہ خاص نمبر نکالا ہے۔ جس کی ممدوح کی ذات بجا طور پر مستحق ہے۔ 'جوہر' نے یہ نمبر نکال کر اُردو کے خدمات گذاروں کی جانب سے محسن شناسی کا ثبوت دیا ہے''۔ ۵۸

''سر سیّد احمد خان'' از مولوی عبدالحق پر ''معارف'' کا تبصرہ بھی قابلِ توجہ ہے:

''سر سیّد مرحوم کے بعض مذہبی افکار وعقاید سے اختلاف کے باوجود اُن کے قومی، علمی، تعلیمی اور اصلاحی کارناموں سے انکار نہیں کیا جاسکتا.... مولانا حالی اُن کی سیرت کا فرض ادا کر چکے ہیں۔ اُن کے ایک اور صحبت یافتہ اور دیرینہ عقیدت مند بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب وقتاً فوقتاً اُن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھتے رہے ہیں.... مصنف سر سیّد کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک رہ چکے ہیں اس لیے بڑی خوبی سے ان کے سیرت و کردار کی مصوری کی ہے مگر چوں کہ تمام تر عقیدت ومحبت کے جذبات میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس لیے ان کا ایک ہی پہلو دکھایا گیا ہے۔'' ۵۹

دبستانِ شبلی کے ایک اہم رکن مولانا عبدالماجد دریابادی نے ''چند ہم عصر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے تعریف کے ساتھ شکایت کا پہلو بھی نکال لیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالحق صاحب عموماً سادہ نویس وسنجیدہ نویس ہیں گویا حالی کے مثنیٰ لیکن جب مجلی بالطبع بول چال پر آتے ہیں تو مولویوں کے لیے بے تکلف (جغادری) کا لفظ بھی بول جاتے ہیں۔ ہائے نذیر احمد۔'' ۶۰

تبصروں کے علاوہ ''معارف'' کے شذرات میں بھی بابائے اُردو اور ''انجمن ترقی اُردو'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ چند شذرات کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔ یہاں موضوع کی ضرورت کے لحاظ سے چند اقتباسات مزید پیش کیے جاتے ہیں۔ ''معارف'' کے ایک شمارے میں اُردو انسائیکلوپیڈیا کی تجویز کے ضمن میں سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اُمید ہے کہ اہلِ نظر اور اس کام سے دل چسپی رکھنے والے ہندو مسلمان اصحاب اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔ اس ذیل میں مولوی عبدالحق بی اے (اورنگ آباد) ڈاکٹر سر محمد اقبال، شیخ عبدالقادر صاحب بی اے (لاہور)..... سے خصوصیت کے ساتھ التفات وتوجہ کی درخواست ہے''۔ ۶۱

ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ کی چوتھی ادبی کان فرنس کا اجلاس الہ آباد میں منعقد ہوا۔ مولوی عبد الحق نے اجلاس کے شعبۂ اُردو کی صدارت کی اور خطبہ دیا۔ اس خطبے کے ضمن میں ''معارف'' نے مولوی صاحب سے اس طرح اپنی شکایت کا اظہار کیا: ''اگر اُردو کی پچھلی اور موجودہ ترقیوں کے ضمن میں ذکر نہیں آیا تو اس شخصیت کا جس نے اس قابلِ مثال ''انجمن ترقی اُردو'' کی بنیاد ڈالی۔'' ۶۲ مگر اس کے ساتھ ہی ایک شذرے میں یہ انداز بھی موجود ہے: ''ہمارے مخدوم مولوی عبدالحق صاحب اُردو کی جو جواں مردانہ خدمت کر رہے ہیں وہ اُردو کے ہر حامی کے شکریے کی مستحق ہے۔'' ۶۳

اس دوطرفہ مطالعے کے اختتام سے قبل تین اہم تحریروں کا تذکرہ ضروری ہے۔

۱۔ رسالہ "جوہر" عبدالحق نمبر کے لیے سیّد سلیمان ندوی کا پیغام۔

۲۔ سیّد صاحب کے انتقال پر ''قومی زبان'' کا تعزیتی نوٹ۔

۳۔ مولوی صاحب کی وفات پر ''معارف'' کا تعزیتی شذرہ۔

جامعہ اسلامیہ دہلی کے رسالے ''جوہر'' میں سیّد سلیمان ندوی کی یہ تحریر موجود ہے:

''ملک کے پورے طول وعرض میں جس میں اُردو زبان کے بولنے والوں کی تعداد کروڑوں سے بڑھی ہوئی ہے، اس کی خدمت کرنے والوں کی تعداد اگر مولوی عبدالحق نہ ہوتے تو صفر

ہوتی۔ وہ پیری میں بھی ہمت سے کام کر رہے ہیں اور اپنے قلم وقدم اور درم سے اس کی ترقی کی یادگار کوششیں کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے سادہ نگاری کو ترقی دی، نقد وتبصرے کی نئی راہ نکالی، اُردو کی تاریخ کئی سو سال آگے بڑھا دی، ادب اور تاریخ ادب پر تحقیقی مضمون لکھے، اُردو کے قواعد کو نئے سرے سے مرتب کیا، اُردو لغت، اُردو تذکرے، اُردو کے پُرانے دیوان اور اُردو میں نئے علوم کی عمدہ کتابیں چھپوائیں اور لکھوائیں اور ''انجمن ترقی اُردو'' کو ہر حیثیت سے وہ ترقی دی کہ آج وہ ملک کا زندہ ادارہ ہے''۔ ۶۴

سیّد سلیمان ندوی کے انتقال (۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء) پر ''قومی زبان'' نے ''آہ! مولانا سیّد سلیمان ندوی'' کے عنوان سے ایک تعزیتی تحریر شامل اشاعت کی۔ اس میں سیّد صاحب کی دینی وعلمی خدمات کا اعتراف بھی ہے اور ان کے زہد وتقویٰ کا تذکرہ بھی۔ اقتباس درج ذیل ہے:

''موصوف کا انتقال علمی وادبی دنیا کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اپنے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے سیّد صاحب کی ذات پاکستان و ہند ہی نہیں پوری دنیاے اسلام کے لیے شمع ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ سید صاحب کے علمی کارنامے اور اُن کی ادبی خدمات اُردو زبان وادب کی تاریخ میں ہمیشہ یادر ہیں گی.... علمی دنیا ان کے احسانات سے کبھی سُبک دوش نہیں ہوسکتی....

آں را کہ جاہ و مسندِ شاہی نہ داشتہ
ایں فضل بس کہ نقشِ سلیمٰن گذاشتہ'' ۶۵

اسی طرح باباے اُردو مولوی عبدالحق کی وفات پر ''معارف'' نے شذرات میں اُن کی علمی وادبی خدمات کا تذکرہ کیا اور اُن کے انتقال کو دنیاے اُردو کا سب سے بڑا حادثہ قرار دیا۔

''باباے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کی وفات دنیاے اُردو کا سب سے بڑا حادثہ ہے علمی اور ادبی حیثیت سے اُردو کے خدمت گذاروں کی کمی نہیں ہے لیکن جس نے ہر پہلو سے اس کی خدمت کی اور اس کے لیے اپنی زندگی وقف کردی اور اس کی راہ میں اپنا تن من دھن سب نثار کردیا وہ تنہا مولوی عبدالحق کی ذات تھی، مولوی صاحب مرحوم سے پہلے اُردو کی خدمت کا دائرہ محض اُردو کی انفرادی علمی وادبی تصانیف تک محدود تھا، اجتماعی کوشش اور تاریخی، لسانی اور سیاسی حیثیت سے اس کی خدمت کی صرف بنیاد پڑی تھی، مولوی صاحب نے اس کا عظیم قصر تعمیر کردیا اور اُردو کی خدمت کی ایک عام لگن پیدا کردی، اُن کی خدمات، اُردو کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہیں اور جب تک اُردو زبان باقی ہے اُن کا نام بھی زندہ و پائندہ رہے گا۔ اگر ''انجمن ترقی اُردو'' نہ ہوتی تو اُردو کو علمی زبان بننے میں بڑی دیر لگتی.... مولوی صاحب کو اُردو سے والہانہ عشق تھا۔ اُنھوں نے اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ اُن کو سوتے جاگتے، اٹھتے

بیٹھتے اسی کی دھن رہتی تھی.... پاکستان میں بھی اُن کو اُردو کے لیے جنگ کرنا پڑی اور آخر تک لڑتے رہے۔ اُردو کے مسئلے میں پاکستان میں جو کامیابی بھی ہوئی اس میں دوسرے حامیانِ اُردو کی تائید وحمایت کے ساتھ مولوی صاحب کی کوششوں کو بھی بڑا دخل ہے.... خالص علمی اور ادبی حیثیت سے بھی اُن کی خدمات بڑی گراں قدر ہیں.... وہ صاحبِ طرز ادیب تھے۔ اُن کی تحریر سادگی وسلاست میں سہل ممتنع کی حیثیت رکھتی ہے اور سادگی کے باوجود خوش گوار ادبی چاشنی سے خالی نہیں ہوتی.... اب اُردو کے ایسے باعمل فدائی نہ پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔'' ۶۶

وابستگان دبستانِ شبلی اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے مابین تعلقات و مراسم کی یہ روداد ہماری ادبی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ اس سلسلے کی دوطرفہ تحریروں میں طنز بھی ہے اور تنقید بھی، شکوہ و شکایت بھی ہے اور باہمی رنجش کا اظہار بھی مگر اس کے ساتھ ہی وہ تحریریں بھی موجود ہیں جن میں ایک دوسرے کے علمی، ادبی اور شخصی کمالات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس جائزے میں دونوں رُخ پیش کیے گئے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ اکثر اوقات اختلافات کی خلیج محض معمولی غلط فہمیوں کے سبب وسیع ہوئی۔ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں سے صرفِ نظر کیا جاتا یا ردِعمل کے اظہار میں احتیاط و توازن کا دامن تھاما جاتا تو یقیناً یہ صورت پیش نہ آتی۔ اس جائزے کا مثبت پہلو یہ ہے کہ تمام تر ذاتی وشخصی اختلافات کے باوجود ملت کی خیر خواہی اور اُردو کی ترقی کے لیے سب کے دل ایک ساتھ دھڑکتے رہے۔ ''علی گڑھ''، ''جامعہ عثمانیہ'' اور ''انجمن ترقی اُردو'' ہو یا ''ندوۃ العلماً''، ''دار المصنفین'' اور ''شبلی اکیڈمی''، اُردو زبان کی ترقی وترویج کے معاملے میں سب کا خلوص ہر قسم کے شک وشبہے سے بالاتر ہے۔

حواشی اور تعلیقات

۱۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ: مضمون ''کچھ یادیں''، مشمولہ ''قومی زبان''، کراچی، بابائے اُردو نمبر، جلد ۲۹، شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۔

۲۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری: مضمون ''عبدالحق اور ابوالکلام آزاد''، مشمولہ ''قومی زبان''، محولہ بالا، ص ۲۵۱۔
اس کے علاوہ درج ذیل آرا بھی اسی حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں:
''منشی محمد امین زبیری نے شبلی نعمانی کی جو داستانِ معاشقہ چھاپی تھی اُس کو مولوی صاحب کی رضامندی حاصل تھی۔ شبلی پر تنقید وتعریفیں اُنھیں ناگوار گزرتی تھی مگر حالی پر نقد واحتساب کو وہ کسی عنوان برداشت نہ کرتے تھے۔'' (ماہرالقادری: یادِ رفتگاں حصہ دوم، طبع اوّل، کراچی)
''علامہ شبلی کی شخصیت کو مجروح کرنے میں مولوی عبدالحق بابائے اُردو (۱۸۷۰ء۔۱۹۶۱ء) معاندینِ شبلی میں سب

سے آگے رہے۔ علامہ شبلی کے ساتھ مولوی عبدالحق کا حاسدانہ و معاندانہ اندازِ فکر، برصغیر کی علمی و ادبی تاریخ کا تاریک ترین باب ہے۔'' (وارث ریاضی: مکتوب، مشمولہ معارف، جلد ۱۷۹، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۳۰۷۔)

''مولوی عبدالحق (ف ۱۹۶۱ء)، محمد امین زبیری (ف ۱۹۵۸ء) شیخ محمد اکرام (ف ۱۹۷۳ء)، ڈاکٹر وحید قریشی وغیرہ نے مولانا شبلی کی علمی عظمت کو مشتبہ بنانے اور اُن کی عالمانہ شخصیت کو مجروح کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور یہ سلسلہ ادبی حدود سے تجاوز کر کے کردار کُشی تک جا پہنچا۔'' (ڈاکٹر شمس بدایونی: مضمون ''ادبی تحقیق کی روایت میں مولانا شبلی کی اوّلیت''، مشمولہ معارف، جلد ۱۷۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۰۷ء ص ۳۲۷۔)

''مولوی صاحب کا علامہ شبلی سے دل صاف نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مولوی صاحب سرسیّد اور حالی کے زبردست حامی بلکہ عاشق تھے۔ اس کے برعکس مولانا شبلی کو سرسیّد اور حالی دونوں سے بعض معاملات میں اختلاف تھا۔ سرسیّد سے یہ اختلاف زیادہ تھا۔ مولوی عبدالحق نے مولانا شبلی پر مضمون لکھ کر (لکھوا کر) چھاپنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُن پر ایک ایسا الزام بھی لگایا جس سے آج تک علامہ کو بریت حاصل نہیں ہو سکی ہے۔'' (ڈاکٹر خلیق انجم: حرفِ آغاز مشمولہ شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں، مصنفہ سیّد شہاب الدین دسنوی، طبع اوّل، دہلی، انجمن ترقی اُردو، ہند، ۱۹۸۷ء، ص ۷)۔

۳۔ مولوی عبدالحق: مکتوب بہ نام عبداللطیف اعظمی، مرقومہ ۹ جولائی ۱۹۶۰ء، مشمولہ ماہ نامہ ''ادیب''، علی گڑھ، شبلی نمبر، جلد ۶، شمارہ ۹، ستمبر ۱۹۶۰ء، ص ۴۔ (یہ خط ''شبلی نقادوں کی نظر میں''، از واصل عثمانی، کراچی، صفیہ اکیڈمی، مطبوعہ ۱۹۶۷ء، میں بھی شامل ہے)۔

۴۔ ابنِ فرید: مکتوب بہ نام مُدیر، مرقومہ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء، مشمولہ ''ادیب''، علی گڑھ، جلد ۹، شمارہ ۵۔۶، مئی جون ۱۹۶۳ء، ص ۱۹۔۲۰۔ اس خط میں جو مضمون لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے غالباً وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آیا۔

۵۔ ''سلیم، مولانا حالؔی کو اپنا مربی و محسن خیال کرتے تھے اور اُن کے بڑے عقیدت مند تھے۔ مولانا حالؔی سے انتہائی درجے کی عقیدت ہی کا نتیجہ تھا کہ 'حیاتِ جاوید' پر سخت تنقید کرنے کی وجہ سے سلیم، مولانا شبلی سے ناراض ہو گئے، جس کا تذکرہ مولانا سلیمان ندوی نے 'حیاتِ شبلی' میں کیا ہے۔'' (ڈاکٹر منظر عباس نقوی: ''وحیدالدین سلیم: حیات اور ادبی خدمات''، طبع اوّل، علی گڑھ، مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۶۹ء، ص ۸۱) ''مولانا حالی کی طرح سرسیّد سے بھی مولانا [وحیدالدین سلیم] کو گہری عقیدت تھی۔'' (ایضاً، ص ۸۳)

۶۔ مولوی عبدالحق: مکتوب بہ نام عبداللطیف اعظمی، محولہ بالا، ص ۱۵۔

۷۔ مولوی عبدالحق: مکتوب بہ نام عبداللطیف اعظمی، محولہ بالا، ص ۱۴۔

۸۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ''موجِ کوثر''، ''شبلی نامہ'' اور ''یادگارِ شبلی'' از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ''سرسیّد احمد خاں اور اُن کے نام ور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ'' از ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ''شبلی ایک دبستان'' از ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی ردولوی، ''خطوطِ شبلی''، ''شبلی کی رنگین زندگی'' اور ''ذکرِ شبلی'' از محمد امین زبیری، ''شبلی ادیبوں کی نظر میں'' از محمد واصل عثمانی ''شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں'' از سید شہاب الدین دسنوی۔

مقالہ: ''شبلی اور علی گڑھ تحریک'' از حفیظ مینائی اور مقالہ ''شبلی اور حالی'' از عابد نظامی، مشمولہ ''کریسنٹ''، لاہور، شبلی نمبر، اسلامیہ کالج، جنوری ۱۹۷۱ء۔

۹۔ آل احمد سرور: مقدمہ مشمولہ ''شبلی کا مرتبہ اُردو ادب میں'' از عبداللطیف اعظمی، طبع دوم، کراچی، صفیہ اکیڈمی، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۔

۱۰۔ مولوی وحیدالدین سلیم کی طرف اشارہ ہے۔

۱۱۔ سیّد سلیمان ندوی: ''مکتوبات سلیمانی''، جلد اوّل، لکھنؤ، صدقِ جدید بکس، ۱۹۶۳ء۔

۱۲۔ سیّد سلیمان ندوی: یادِ رفتگاں، کراچی، مکتبہ الشرق، جنوری ۱۹۵۵ء، ص ۴۳۔

۱۳۔ ''معارف''، جلد ۹، شمارہ ۵، مئی ۱۹۲۲ء، ص ۳۲۴۔

۱۴۔ ''معارف''، جلد ۱۰، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۲۲ء، ص ۳۲۸۔

۱۵۔ ''مولانا حالی کی خودنوشت سوانح عمری''، ادارتی نوٹ مشمولہ ''معارف''، جلد ۱۹، شمارہ ۵، مئی ۱۹۲۷ء، ص ۳۴۴۔

۱۶۔ سیّد سلیمان ندوی: مکتوباتِ سلیمانی، محولہ بالا۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ مولوی صاحب کی یہ تحریر ''قومی زبان'' کراچی، جلد ۵۳، شمارہ ۸، اگست ۱۹۸۳ء میں بھی شایع ہو چکی ہے۔

۲۱۔ ''معارف''، جلد ۷، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۲۱ء، ص ۳۱۵۔

۲۲۔ رسالہ ''اُردو''، جلد اوّل، حصہ سوم، جولائی ۱۹۲۱ء، ص ۴۸۱۔

۲۳۔ رسالہ ''اُردو'' میں ایک صاحب ''شعر العجم'' پر مسلسل تنقید لکھ رہے ہیں.... اغلاط کا بیش تر حصہ ناموں اور سنوں کے اُلٹ پھیر اور اختلافات پر مبنی ہے''۔ (شذراتِ معارف، جلد ۱۱، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۲۳ء) ''اس تخریبی پروگرام کے بجائے وہ تعمیری پروگرام سامنے رکھتے اور شبلی کی غلط در غلط ''شعر العجم'' کے بجائے وہ صحیح اور سرتاپا صحیح ''شعر العجم'' لکھ کر علم و ادب کو ممنونِ کرم فرماتے''۔ (شذراتِ معارف، جلد ۱۳، شمارہ ۲، فروری ۱۹۲۴ء)۔
ڈاکٹر خلیق انجم، مولوی عبدالحق کو ''تنقید شعر العجم'' کا محرک قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وابستگانِ دبستانِ شبلی کی مولوی صاحب سے ناراضی دُرست معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں: ''ایسے شواہد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مضمون (مراد تنقید شعر العجم) مولوی عبدالحق کی فرمایش پر لکھا گیا تھا۔'' (شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں، حرفِ آغاز ص ۷)

۲۴۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ: مضمون ''کچھ یادیں''، مشمولہ ''قومی زبان''، کراچی، بابائے اُردو نمبر، ۱۹۶۶ء۔

۲۵۔ ایضاً: مقدمہ مشمولہ ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' (جلد اوّل)، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، طبع اوّل، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، جنوری ۱۹۶۶ء، ص ۱۱۔

۲۶۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی: ''حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی و ادبی خدمات'' (جلد اوّل)، طبع اوّل، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، جون ۱۹۹۳ء، ص ۴۴۳۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۴۴۔

۲۸۔ ''معارف''، جلد ۱۲، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۲۳ء، ص ۴۰۸۔

۲۹۔ رسالہ ''اُردو''، جلد ۴، حصہ ۱۳، جنوری ۱۹۲۴ء، ص ن۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ ''معارف''، جلد ۱۳، شمارہ ۲، فروری ۱۹۲۴ء، ص ۸۱۔

۳۲۔ اس سے اگلے شمارے کے شذرات میں سیّد صاحب لکھتے ہیں: ''پروفیسر اقبال میرے نیاز نامے کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے رسالہ اُردو والا مضمون اشاعت کے ارادے سے نہیں لکھا تھا ورنہ اس کی عبارت اور ترتیب مختلف ہوتی۔ آپ نے اپنے مضمون سے اُردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے اور بدین وجہ اہلِ زبان کو میری نکتہ چینی کا مشکور ہونا چاہیے۔ (بہ حوالہ ''معارف'' جلد ۱۳، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۲۴ء، ص ۱۶۲)۔

۳۳۔ سیّد سلیمان ندوی: ''شعر العجم اور عمر خیام''، ''مشمولہ معارف'' جلد ۱۳، شمارہ ۲، ص ۸۲-۸۳۔

۳۴۔ رسالہ ''اُردو''، اپریل ۱۹۳۳ء، ص ۴۳۰۔

۳۵۔ ''معارف''، جلد ۴۶، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۴۱ء، ص ۱۶۴۔

۳۶۔ ''معارف''، جلد ۳۹، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۸ء، ص ۲۔

۳۷۔ جب کہ ڈاکٹر خلیق انجم کی رائے ہے کہ: ''ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مضمون مولوی عبدالحق کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔'' (شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں، محولہ بالا، ص ۷)

۳۸۔ سیّد نجیب اشرف ندوی: مقالہ ''پنجاب میں اُردو''، مشمولہ ''معارف''، جلد ۲۲، شمارہ ۲، اگست ۱۹۲۸ء، ص ۹۱۔

۳۹۔ ''معارف''، جلد ۳۳، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۳۴ء، ص ۳۱۲۔

۴۰۔ ''معارف''، جلد ۵۷، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۴۶ء، ص ۳۱۲۔

۴۱۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی: مقدمہ ''مقدماتِ عبدالحق''، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، پہلا پاکستانی ایڈیشن، لاہور، اُردو مرکز، ۱۹۶۴ء۔

۴۲۔ ''معارف''، جلد ۳۶، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۳۵ء، ص ۲۴۳۔

۴۳۔ محمد واصل عثمانی لکھتے ہیں: حالی کی شاگردی اور علی گڑھ سے وابستگی نے عبدالحق کو شبلی کے خلاف ضرور اُکسایا اور اس طرح وہ اپنی دلی آرزو کی تکمیل کے لیے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتے رہے کہ شبلی کی حیاتِ معاشقہ اور رنگین زندگی کو اُجاگر کیا جائے۔ (بہ حوالہ ''شبلی ادیبوں کی نظر میں''، طبع اوّل، کراچی، صفیہ اکیڈمی، ۱۹۶۸ء، ص ۸۱)۔

محمد امین زبیری کے مرتبہ خطوطِ شبلی اور مولوی صاحب کے مقدمے کو سنجیدہ ادبی حلقوں میں عموماً ناپسند کیا گیا۔ مرتب کے بارے میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں: ''بہ طور مصنف محمد امین زبیری (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۸ء) کا کوئی مقام ہو یا نہ ہو، موصوف مولانا شبلی کی کردار کُشی کے حوالے سے ضرور شہرت رکھتے ہیں، اُنھوں نے عطیہ بیگم کے نام شبلی کے خطوط شایع کیے، ''حیاتِ شبلی'' پر ایک زہریلا تبصرہ لکھا اور پھر ''شبلی کی رنگین زندگی'' شایع کی، مولانا آزاد کو کانٹوں میں گھسیٹا۔ خامہ بہ دوش بتاتے ہیں کہ: اس بدتہذیبی پر پورے ہندوستان کے عالموں اور ادیبوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، مولانا مناظر احسن گیلانی نے تو یہاں تک لکھا کہ: منشی محمد امین اس کتاب کے بعد کسی مہذب سوسائٹی اور جماعت میں شریک ہونے کے لائق نہیں رہے۔ لیکن سب سے زیادہ دل چسپ تبصرہ سید ہاشمی فرید آبادی کا تھا۔ انھوں نے کہا: منشی صاحب، علامہ شبلی کے بارے میں بہت متشدد ہیں اس لیے اُنھیں منشی نہیں مُنشی لکھنا چاہیے۔'' (بہ حوالہ ''معارف''، جلد ۱۷۹، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۳۰۷)

۴۴۔ یہاں سیّد سلیمان ندوی کی تحریر ''شعر العجم اور عمر خیام''، مشمولہ ''معارف''، جلد ۱۳، شمارہ ۲، فروری ۱۹۲۴ء، کی طرف اشارہ ہے۔

۴۵۔ مولوی عبدالحق: ''مقدماتِ عبدالحق'' (حصہ دوم)، مرتبہ مولوی مرزا محمد بیگ، حیدرآباد، مکتبہ ابراہیمیہ، ۱۹۳۱ء، ص ۱۰۰۔

۴۶۔ مولوی عبدالحق: مقدماتِ عبدالحق، مرتبہ مرزا محمد بیگ، محولہ بالا، ص ۱۳۲۔

۴۷۔ ایضاً، مکتوب بہ نام مولوی مرزا محمد بیگ، پیش لفظ از مرتب، مشمولہ مقدماتِ عبدالحق، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، محولہ بالا۔

۴۸۔ ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی: ''افاداتِ مہدی''، مرتبہ مہدی بیگم، طبع چہارم، لاہور، شیخ مبارک علی، ۱۹۴۹ء، ص ۳۱۱۔

۴۹۔ مولوی عبدالحق: ''ادبی تبصرے''، طبع اوّل، لکھنؤ، دانش محل، ۱۹۴۷ء، ص ۶۸۔

۵۰۔ مولوی مقتدیٰ خاں کا یہ مضمون ''البصیر'' کے شبلی نمبر میں شایع ہوا ہے۔

۵۱۔ مکتوب مولوی عبدالحق بہ نام مولوی محمد مقتدیٰ خاں شروانی، مرقومہ ۱۷فروری ۱۹۵۸ء، مشمولہ ''اُردو''، بابائے اُردو نمبر، ۱۹۶۲ء، ص ۳۶۵۔

۵۲۔ ''قومی زبان''، جلد۲، شمارہ ۶، اگست ۱۹۴۹ء۔

۵۳۔ ایضاً، جلد۱، شمارہ ۳۷، مارچ ۱۹۴۹ء۔

۵۴۔ ''معارف''، جلد۱۹، شمارہ۴، اپریل ۱۹۲۷ء، ص ۳۱۸۔

۵۵۔ ایضاً، جلد۱۹، شمارہ ۶، جون ۱۹۲۷ء، ص ۴۸۰۔

۵۶۔ ایضاً، جلد۳۱، شمارہ ۶، جون ۱۹۳۳ء، ص ۴۷۸۔

۵۷۔ ایضاً، جلد۴۴، شمارہ ۲، اگست ۱۹۳۹ء، ص ۱۵۳۔

۵۸۔ ایضاً، جلد۴۶، شمارہ ۲، اگست ۱۹۴۰ء، ص ۱۴۷۔

۵۹۔ ایضاً، جلد۸۶، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۳۶۔

۶۰۔ عبدالماجد دریابادی: ''مقالاتِ ماجد''، طبع دوم، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص ۲۹۵۔

۶۱۔ ایضاً، جلد۱۹، شمارہ ۲، فروری ۱۹۲۷ء، ص ۸۷۔

۶۲۔ ایضاً، جلد۳۷، شمارہ ۲، فروری ۱۹۳۶ء، ص ۸۳۔

۶۳۔ ایضاً، جلد۴۴، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۳۹ء، ص ۴۰۴۔

۶۴۔ سیّد سلیمان ندوی: ''جوہر'' عبدالحق نمبر، دہلی، مکتبہ جامعہ، مارچ ۱۹۴۰ء، ص ۱۴۔

۶۵۔ ''قومی زبان'' کراچی، جلد۴، نمبر ۲۳، ص ۳۔

۶۶۔ شاہ معین الدین احمد ندوی: شذرات، مشمولہ ''معارف''، جلد ۸۸، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۱۶۲۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ آفتاب احمد صدیقی ردولوی، ڈاکٹر: "شبلی ایک دبستان"، ڈھاکہ، مکتبہ عارفین، ۱۹۷۰ء۔

۲۔ سلیمان ندوی، سیّد: ''حیاتِ شبلی''، طبع سوم، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۷۹ء۔

۳۔ سلیمان ندوی، سید: "مکتوباتِ سلیمانی" حصہ اوّل، مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادی، لکھنؤ، صدقِ جدید بک ایجنسی، ۱۹۶۳ء

۴۔ سلیمان ندوی، سیّد: "یادِ رفتگاں"، کراچی، مکتبہ الشرق، ۱۹۵۵ء۔

۵۔ سلیمان ندوی، سیّد: ''شذراتِ سلیمانی'' حصہ اوّل تا سوم، طبع اوّل، اعظم گڑھ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، مئی ۱۹۹۰ء۔ دسمبر ۱۹۹۷ء۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء۔

۶۔ شہاب الدین دسنوی، سیّد: ''شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں''، طبعِ اوّل، دہلی، انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۱۹۸۷ء۔

۷۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر: "ادبی تبصرے"، طبع اوّل، لکھنؤ، دانش محل، ۱۹۴۷ء۔

۸۔ عبد الحق، مولوی، ڈاکٹر: "مقدماتِ عبد الحق"، حصہ دوم، مرتبہ مولوی مرزا محمد بیگ، حیدرآباد، مکتبہ ابراہیمیہ، ۱۹۳۱ء۔

۹۔ عبدالحق مولوی، ڈاکٹر: "مقدماتِ عبدالحق"، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، لاہور اُردو مرکز، ۱۹۶۴ء۔

۱۰۔ عبدالماجد دریابادی: ''مقالاتِ ماجد''، طبع دوم، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، س ن۔

۱۱۔ عبداللطیف اعظمی: "شبلی کا مرتبہ اُردوادب میں"، کراچی، صفیہ اکیڈمی، اکتوبر ۱۹۶۷ء۔

۱۲۔ محمد اکرام، شیخ، ڈاکٹر: "یادگارِ شبلی"، طبع اوّل، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۱ء۔

۱۳۔ محمد سہیل شفیق: ''اشاریۂ معارف''، باراوّل، کراچی، قرطاس، اپریل ۲۰۰۶ء۔

۱۴۔ محمود شیرانی، حافظ: "مقالات حافظ محمود شیرانی" (جلد اوّل)، طبع اوّل، مجلس ترقی ادب، جنوری ۱۹۶۶ء

۱۵۔ معین الرحمٰن، سید، ڈاکٹر: "بابائے اُردو، احوال وافکار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۶ء۔

۱۶۔ منظر عباس نقوی، ڈاکٹر: "وحید الدین سلیم، حیات اور ادبی خدمات"، طبع اوّل، علی گڑھ، مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۶۹ء۔

۱۷۔ مہدی الافادی (مہدی حسن افادی الاقتصادی): "افاداتِ مہدی"، مرتبہ مہدی بیگم، طبع چہارم، لاہور، شیخ مبارک علی، ۱۹۴۹ء

۱۸۔ واصل عثمانی، محمد: ''شبلی ادیبوں کی نظر میں''، طبع اوّل، کراچی، صفیہ اکیڈمی، نومبر ۱۹۶۸ء۔

۱۹۔ واصل عثمانی، محمد ''شبلی نقادوں کی نظر میں''، طبع اوّل، کراچی، صفیہ اکیڈمی، اکتوبر ۱۹۶۷ء۔

رسائل:

۱۔ اُردو، اورنگ آباد، دہلی، کراچی، متفرق شمارے۔

۲۔ ادیب، علی گڑھ، شبلی نمبر، ستمبر ۱۹۶۰ء۔

۳۔ البصیر، شبلی نمبر

۴۔ الشجاع، کراچی، عبدالحق نمبر، ۱۹۵۹ء۔

۵۔ جوہر، دہلی عبدالحق نمبر، مارچ ۱۹۴۰ء۔

۶۔ صبا، شبلی نمبر ۱۹۵۸ء۔

۷۔ قومی زبان، کراچی، متفرق شمارے۔

۸۔ کریسنٹ (کالج میگزین) شبلی نمبر ۱۰، اسلامیہ کالج لاہور، جنوری، ۱۹۷۱ء۔

۹۔ معارف، اعظم گڑھ، متفرق شمارے۔

0 ------- 0